واپسی کے وقت لکھنؤ میں ٹھہرتا ہوا دہلی گیا، اُس موقع پر اُس نے شاہ پیر محمد کے ٹیلے والی مسجد تعمیر کرائی۔ جو خاص لچھمن ٹیلے پر ہونے کی وجہ سے، ایسی بلندی پر واقع ہے جس سے زیادہ مناسب جگہ مسجد کے لیے لکھنؤ میں نہیں ہو سکتی۔ اور غالباً اسی موقع پر اُس نے فرنگی محل کے مکانات، ملائے زماں ملّا نظام الدّین کی نذر کیے ہوں گے۔

محمد شاہ رنگیلے کے زمانے میں لکھنؤ کا صوبے دار گردھانا نگا نام ایک بہادر ہندو رسالدار تھا۔ اُس کا چچا چھبیلے رام، دربارِ دہلی کی طرف سے الٰہ آباد کی حکومت پر مامور تھا۔ چھبیلے رام کے مرنے پر گردھانا نگا نے سرکشی اختیار کی اور ارادہ کیا کہ چچا کی جگہ زبردستی الٰہ آباد کا حاکم ہو جائے۔ مگر پھر خود ہی کچھ سوچ کے اُس نے اظہارِ اطاعت و فرماں برداری کیا، اور دربار سے اُسے اودھ کی صوبے داری کا خلعت عطا کیا گیا۔ اس نے یہاں کی سکونت اختیار کی۔ اور اس کی بی بی نے جو رانی کہلاتی تھی، رانی کٹرہ آباد کیا۔

مگر یہاں کا حاکم اور صوبے دار چاہے کوئی ہو، شیخ زادوں کا اس قدر زور تھا کہ کسی والی کو، چاہے کیسا ہی زبردست ہو اور کیسی ہی سندِ حکمرانی لے کے آیا ہو، یہ جرأت نہ ہو سکتی تھی کہ اُن کے حلقے میں قدم رکھے۔ مچھی بھون کو اگرچہ قصرِ امارت کی حیثیت حاصل تھی لیکن شیخ زادوں نے اُسے اپنی موروثی جایداد بنا لیا تھا، اور دہلی سے جو والی آتا، اس کے پاس پھٹکنے نہ پاتا۔ انھوں نے مچھی بھون کے پاس دو اور عمارتیں تعمیر کر لی تھیں جن میں سے ایک کا نام مبارک محلا تھا۔ اور دوسری کا نام پنچ محلا تھا۔ پنچ محلے کی نسبت کوئی کہتا ہے کہ پنچ منزلی عمارت تھی اور کوئی کہتا ہے کہ ایک دوسرے کے پاس پانچ محل بنے ہوئے تھے۔ اور اُن کے جنوب طرف ایک بڑا محراب دار پھاٹک تھا جو شیخن دروازہ کہلاتا۔ شہر سے جو لوگ شیخ زادوں کی مذکورہ عمارتوں میں جانا چاہتے، اسی پھاٹک میں سے ہو کے گزرتے۔

اِس پھاٹک کے محراب میں بانکے شیخ زادوں نے ایک ننگی تلوار لٹکا رکھی تھی اور

حکم تھا کہ جو کوئی یہاں آنا چاہے، کوئی ہو اور کتنا ہی بڑا شخص ہو، پہلے اس تلوار کو جھک کے سلام کر لے، پھر آگے قدم بڑھائے۔ کس کی مجال تھی کہ اس حکم کی تعمیل میں عذر کرے؟ یہاں تک کہ دہلی سے جو والی اور حاکم مقرر ہو کے آتے تھے اور شیخوں سے ملنے جاتے، تو انھیں بھی جبراً و قہراً اُس تلوار کے آگے ضرور سر جھکا دینا پڑتا۔

لکھنؤ کی یہ حالت تھی کہ سنہ ۱۱۶۱ محمدی (سنہ ۱۷۳۲ء) میں نواب سعادت خاں برہان الملک، دربارِ دہلی سے اودھ کے صوبے دار مقرر ہو کے آئے، جن سے ہندوستان کے اُس آخری مشرقی دربار کی بنیاد پڑی، جس کے عروج کو، ہم مشرقی تمدّن کا آخری نمونہ قرار دے کے، بیان کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے نمبر میں ہم نے فیض آباد کی حالت دکھائی جو اسی تمدّن کا نقشِ اوّلین اور اسی مشرقی دربارِ لکھنؤ کا ایک ضمیمہ تھا۔ اس نمبر میں اس دربار کے قائم ہونے سے پیشتر کے لکھنؤ کی تصویر دکھا دی۔ اور اُس بساط کو اپنے ناظرین کے پیشِ نظر کر دیا جس پر اس دربار نے اپنی شطرنج بچھائی۔ آیندہ چند نمبروں میں ہم اس نیشاپوری خاندان کی تاریخِ حکومت بیان کریں گے۔ اور اس کے بعد دکھائیں گے یہ تمدّن کیا اور کیسا تھا۔

(۳)

نواب سعادت خاں برہان الملک کے خاندان کے متعلق اسی قدر بتا دینا کافی ہے کہ میر محمد نصیر نام، نیشاپور کے ایک سید زادے، جن کا سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے، سنہ ۱۱۳۵ محمدی (سنہ ۱۷۰۶ء) عہدِ بہادر شاہ میں واردِ ہندوستان ہوئے۔ ان کے بڑے بیٹے میر محمد باقر ساتھ ساتھ آئے تھے جنھوں نے یہاں شادی کر لی اور باپ بیٹوں نے ناظمِ بنگالہ کی زیرِ حمایت عظیم آباد پٹنہ میں سکونت اختیار کی۔ محمد باقر کو ہندوستان کی بی بی سے خدا نے ایک بیٹا دیا جو بعد کو شیر جنگ کے معزز لقب سے مشہور ہوا۔

میر محمد نصیر کے آنے کے دو سال بعد، اُن کے چھوٹے بیٹے میر محمد امین بھی نیشاپور سے ہندوستان میں آ گئے۔ عظیم آباد پہنچے تو سنا کہ والد نے سفرِ آخرت کیا۔ اور اب دونوں بھائی

میر محمد باقر اور محمد امین، دہلی کو روانہ ہوئے، جہاں پہنچ کے، میر محمد امین کو شاہزادوں کی جاگیر کا ٹھیکا مل گیا۔ اس میں انھوں نے ایسی لیاقت، مستعدی اور کارگزاری دکھائی کہ تمام لوگوں میں شہرت ہوگئی۔ اقبال بر سر یاری تھا، چند ہی روز بعد دربارِ شاہی کے معزز امیروں اور منصب داروں میں شامل ہوئے۔ پھر صوبے دار اکبر آباد کی بیٹی سے نکاح ہو گیا اور اُس اعلا طبقۂ امرا میں شمار کیے جانے لگے جس پر سلطنت کی ذمّے داری کی خدمتوں کے لیے انتخاب کی نظریں پڑتی تھیں۔

اُن دنوں دہلی میں ساداتِ بارہہ کا زور تھا جن سے رعیّت تو رعیّت، خود بادشاہ سلامت ڈرتے تھے۔ محمد امین نے ان کو قتل کرا کے سیّدوں کا زور ہمیشہ کے لیے توڑ دیا اور لڑائی میں ایسی شجاعت دکھائی کہ دربارِ شاہی سے منصب ہفت ہزاری اور سات ہزار سواروں کی سرداری کے ساتھ "برہان الملک، بہادر جنگ" کا خطاب عطا ہوا۔ اور اُسی وقت اکبر آباد کے صوبے دار مقرر ہوئے۔ اس کے بعد بادشاہی خواصوں کی داروغگی عطا ہوئی جو بڑا معزز عہدہ تھا۔ اُس کے تھوڑے دنوں بعد وہ صوبۂ اودھ کے صوبے دار اور اس کے ساتھ ہی بادشاہی توپ خانے کے داروغہ مقرر ہوئے۔ آدمی ہوشیار اور نہایت ہی بیدار مغز اور اس کے ساتھ بڑے بہادر اور شجاع تھے۔ شاہی توپ خانے کو اپنے ہاتھ میں لے کے انھوں نے ایسی زبردست قوت پیدا کر لی جیسی ان دنوں سارے ہندوستان میں کسی کو نصیب نہ تھی۔ اُس زمانے میں کوڑا کے زمیندار بھگونت سنگھ نے سلطنت سے سرتابی کر کے بڑا زور باندھ رکھا تھا۔ اور کئی افسر جو اس کی سرکوبی کو گئے، اس کے ہاتھ سے مارے جا چکے تھے۔ آخر برہان الملک اس مہم پر مامور ہوئے اور یلغار کرتے ہوئے پہنچے۔ بلونت سنگھ نے چالاکی سے اُن کو گھیر لیا اور لڑائی کا رنگ ایسا بگڑا نظر آیا کہ بڑے بڑے بہادروں کے ہاتھ پانو پھول گئے۔ مگر برہان الملک نے ایسی جواں مردی سے مقابلہ کیا کہ دیر تک دشمنوں کے نرغے میں اُن کی لمبی سفید نورانی ڈاڑھی چمکتی اور رُعب ڈالتی

رہی تھوڑی دیر میں بھگونت سنگھ اُن کے تیر کا نشانہ ہوا اور دشمن بھاگ کھڑا ہوا۔

برہان الملک کی دوسری مہم اس سے بھی زبردست تھی۔ اُن دنوں مرہٹوں کا ہندوستان میں بڑا زور تھا۔ انھوں نے تاج دارِ دہلی سے چوتھ مقرر کرا لی تھی اور بڑے بڑے سورما اُن کے نام سے کانپتے تھے۔ برہان الملک نے مرہٹوں کو زبردست فوج کے ساتھ جا کے ایسی سخت شکست دی کہ اُن کے حواس جاتے رہے، اُلٹے دم بھاگے اور برہان الملک نے تعاقب شروع کیا۔ واقعاتِ تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس موقع پر برہان الملک زبردستی نہ روک دیے جاتے تو وہ بڑھ کے مرہٹوں کا استیصال کر دیتے اور سلطنتِ مغلیہ اپنے اگلے عہدِ شباب کی طرح سارے ہندوستان کی سیاہ و سفید کی مالک ہو جاتی۔ مگر اس بدنصیب زوال پذیر سلطنت کو مٹنا ہی تھا۔ درباریوں کی سازش اور مقربینِ دربار کے حسد نے برہان الملک کی رفتار کو رکوا دیا۔

اِس بات نے برہان الملک کو یقین دلایا کہ بادشاہ میں اپنے نیک و بد کے سمجھنے کی صلاحیّت نہیں اور اہلِ دربار بددیانت و خودغرض ہیں، فوراً مرہٹوں سے صلح کر لی پھر ارادہ کیا کہ اپنے صوبے میں جا کے قیام کریں اور سب سے الگ ہو کے اپنے علاقے کو مضبوط اور منتظم بنا دیں۔ غرض برہان الملک نے دل میں سمجھ لیا کہ اب سلطنتِ مغلیہ پنپنے والی نہیں ہے، اپنا صوبہ لے کے الگ ہو جانا ہی مناسب ہے اور دربارِ دہلی کو اس کی قسمت پر چھوڑ دینا چاہیے۔

لکھنؤ میں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، شیخ زادوں کا زور تھا۔ انھوں نے اپنی عادت کے موافق انھیں بھی روکا۔ مگر برہان الملک حکمتِ عملی سے داخل ہو گئے اور نکسیر بھی نہ پھوٹنے پائی۔ برہان الملک کے لکھنؤ میں داخل ہونے کے متعلق دو روایتیں مشہور ہیں: ایک یہ کہ وہ برابر بڑھتے چلے آئے، یہاں تک کہ اکبری دروازے پر روکے گئے۔ چونکہ وہ سابق کے تمام صوبے داروں کے خلاف تجربے کار، متین اور سنجیدہ شخص تھے، ٹھہر گئے

اور محمود نگر میں پڑاؤ ڈال دیا۔ دو ایک دن کے بعد شیخ زادوں کی دعوت کی۔ اُن سے بڑی خاطر تواضع سے پیش آئے، لیکن جس وقت غافل شیخ زادے، الوانِ نعمت کا مزہ لوٹنے میں مصروف تھے، شاہی فوج خاموشی کے ساتھ چوک میں داخل ہو رہی تھی، جو برابر بڑھتی ہی چلی گئی، یہاں تک کہ مچھی بھون کے پاس جا پہنچی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ محمد خاں بنگش نے برہان الملک کو بتا دیا تھا کہ لکھنؤ کے شیخ زادے بڑے شورہ پشت ہیں، ان سے پیش پانا آسان نہیں۔ مگر قرب و جوار کے دوسرے شیوخ اُن کے خلاف ہیں، آپ اُن لوگوں سے مدد لیجیے اور انھی کی مدد سے لکھنؤ والوں کو زیر کیجیے۔ چنانچہ برہان الملک نے کاکوری میں قیام کر کے، شیوخِ کاکوری کو اپنے موافق بنا لیا۔ انھی کی مدد اور رہبری سے آگے بڑھے اور یہ ٹھن کے کہ محمود نگر اور اکبری دروازے میں مقابلے کا سامان کیا گیا ہے، اصلی راستے سے کترا کے مغرب کی طرف کٹ گئے۔ گئو گھاٹ کے پاس دریا سے پار اُترے اور پار کی طرف سے آہستہ آہستہ آ کے، اچانک مچھی بھون پر آ پڑے۔ غرض جو صورت ہو، انھوں نے بغیر اس کے کہ کوئی مزاحم ہو، قلعے پر قبضہ کر لیا۔

جب مچھی بھون پر قبضہ ہو گیا تو پھر کون دم مار سکتا تھا؟ شیخ زادوں کے تمام معزز لوگوں نے حاضر ہو کے، عاجزی سے سر جھکا دیا۔ برہان الملک ہاتھی پر سوار ہو کے شیخن دروازے میں داخل ہوئے اور اس تلوار کو جو بڑے بڑے بہادروں سے سلام لے چکی تھی، اپنی تلوار سے کاٹ کے گرا دیا۔ پھر شیخ زادوں سے کہا: "ہمارے قیام کے لیے مچھی بھون خالی کر دو۔" اِس میں انھوں نے لیت و لعل کرنا چاہی مگر نہ چلی۔ آخر ایک ہفتے کی مہلت دی گئی اور اس مدت کے اندر شیوخ جو کچھ اسباب لے جا سکے، اُٹھا لے گئے اور جو رہ گیا، اس پر برہان الملک کے سپاہیوں نے قبضہ کیا۔ قلعے میں جا کے رہنے سے پہلے، اُس کے پاس، جہاں خیمے ڈال کے وہ رہے تھے، وہاں ایک نوبت خانہ تعمیر کرا دیا جس میں دربارِ اودھ کے آخر عہد تک روزانہ

چھے وقت نوبت بجتی تھی۔

اُس کے بعد برہان الملک، اجودھیا میں گئے۔ اور دریا کنارے وہ بنگلا بنوایا جس کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ لیکن وقتاً فوقتاً لکھنؤ میں آتے اور قیام کرتے تھے، کیونکہ صوبے کا مستقر یہی شہر تھا۔ اُن کے زمانے میں یہاں کئی نئے محلے آباد ہوئے۔ مگر یہ سب محلے اُن کے مغل سرداران فوج کے پڑاؤ کے مقامات تھے، جہاں مستقل سکونت کے لیے لوگوں نے مکان بنانا شروع کر دیے۔ سید حسین خاں کا کٹرہ، ابو تراب خاں کا کٹرہ، خدا یار خاں کا کٹرہ، بزن بیگ خاں کا کٹرہ، وفا بیگ خاں کا کٹرہ، محمد علی خاں کا کٹرہ، باغ مہا نرائن، سرائے معالی خاں اور اسماعیل گنج، (جو مچھی بھون کے مشرق طرف تھا، اب اُکھڑ گیا) سب اُسی زمانے کے محلے یا برہان الملک کے سردارانِ فوج کی لشکر گاہیں ہیں۔

نواب برہان الملک چھے ہی برس اودھ اور لکھنؤ میں رہنے پائے تھے کہ ۱۱۵۱ ہجری (۱۷۳۸ء) میں نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کر دیا اور وہ نہایت ہی تاکید کے ساتھ دلی میں بلائے گئے۔ اُس پُرفتن زمانے میں جو کچھ واقعات گزرے، اُن کو لکھنؤ سے تعلق نہیں۔ لکھنؤ میں اپنا نائب اور قائم مقام بنا کے وہ اپنے بھانجے اور داماد صفدر جنگ کو چھوڑ گئے تھے۔ نادر دلی کو لوٹ چکا تھا اور قتلِ عام کرا چکا تھا، مگر ابھی وہیں تھا کہ نواب برہان الملک نے دلی میں وفات پائی۔ ان کے بھتیجے شیر جنگ نے نادر شاہ سے سفارش اٹھوائی کہ نوابِ مرحوم کے بعد اودھ کی صوبے داری انھیں دی جائے۔ لیکن راجہ لچھمی نرائن نے جو برہان الملک کے معتمد عہدے داروں میں تھا، نادر شاہ کی خدمت میں اس مضمون کی ایک عرضداشت پیش کر دی کہ "نواب برہان الملک، شیر جنگ سے خوش نہ تھے۔ اور اسی لیے انھوں نے اپنی بیٹی اُن کو چھوڑ کے، صفدر جنگ کو دی جو ان کی نیابت کرتے تھے اور اس وقت بھی اُن کی طرف سے وہاں موجود ہیں۔ برہان الملک کے مال و اسباب کی مالک سرکار ہے جسے چاہے عطا کرے، اس لیے کہ کوئی وارث نہیں

ہے۔ یہ بھی عرض ہے کہ صفدر جنگ بُردبار، خداترس، لائق اور وعدے کے سچے ہیں، اور سپاہ ان سے خوش ہے۔ قطعِ نظر اس کے حضور کے لیے بُرہان الملک نے دو کرور روپے کی رقم کا وعدہ کیا تھا، اس کے ادا کرنے کا انتظام نواب صفدر جنگ نے کر لیا ہے۔ جس وقت حکم ہو، حاضر کیے جائیں۔ ان وجوہ سے امید ہے کہ حضور انھی کی سفارش فرمائیں گے۔"

یہ عرضداشت دیکھتے ہی نادر شاہ نے صفدر جنگ کے لیے محمد شاہ سے خود ہی خلعتِ صوبہ داری لے لیا، اور اپنے ایک مصاحب اور دو سو سواروں کے ساتھ اودھ میں صفدر جنگ کے پاس بھیجا۔ یوں خلعتِ صوبہ داری پہن کے صفدر جنگ نے وہ دو کرور کا نذرانہ نادر کے پاس بھجوا دیا اور اپنے علاقے پر حکومت کرنے لگے۔

صفدر جنگ کا پورا نام، مرزا مقیم ابو المنصور خاں صفدر جنگ تھا۔ گو ان میں بُرہان الملک کی سی سچی بہادری، سادگی، راست بازی اور جفاکشی نہ تھی، مگر نہایت فیاض، بلند حوصلہ، رحم دل، رعایا پرور اور منتظم تھے۔ شہر سے تین میل کی مسافت پر انھوں نے قلعۂ جلال آباد تعمیر کرایا۔ اور مچھی بھون کے اندر پنچ محلے کی جو قدیم عمارت تھی، اُسے بھی شیخ زادوں سے لے لیا، اور اس کے عوض میں، دو گانواں میں "ایکڑ" زمین شیخ زادوں کو رہنے اور بسنے کے لیے عطا کی۔ جس سے اگرچہ شیخ زادوں پر ظلم ہوا، مگر لکھنؤ کی آبادی کو وُسعت اور ترقی حاصل ہوئی۔ مچھی بھون کو صفدر جنگ نے ازسرِ نو تعمیر کرایا اور اُسے بہت درست کیا۔

لیکن صفدر جنگ پانچ ہی برس اپنے صوبے میں رہنے پائے تھے کہ دہلی میں ان کی طلبی ہوئی اور راجہ نول رائے کو اپنی نیابت پر لکھنؤ میں چھوڑ کے، وہ دہلی چلے گئے۔ نول رائے علم دوست، وقت کا پابند، جفاکش، بہادر اور بہت بڑا منتظم تھا، اور اس کے ساتھ اُسے خدا نے اپنے آقا کی سی اولو العزمی اور فیاضی بھی دی تھی۔ اُس نے ارادہ کیا کہ مچھی بھون کے سامنے دریا پر ایک پُل تعمیر کرے۔ پایوں کی بنیاد ڈالنے کے لیے گہرے کنویں

کھدوائے۔ لیکن پایے بننا شروع نہیں ہوئے تھے کہ اپنے آقا کی طلب پر اُسے احمد خاں بنگش کے مقابلے کے لیے جانا پڑا۔ اس مہم میں وہ بڑی زبردست فوج لے کے گیا، مگر مارا گیا، اور پُل کا کام جو چھڑا تھا، ناتمام پڑا رہ گیا۔

احمد خاں بنگش اُس زمانے کا بہادر ترین شخص تھا۔ اس کے مقابلے کے لیے بُرہان الملک کی ضرورت تھی۔ صفدر جنگ اس کے حریف مقابل نہ ہو سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احمد خاں کی اور اُن کے ساتھ افاغنہ کی قوت ترقی کرتی گئی۔ صفدر جنگ نے لاکھ ہاتھ پاؤں مارے، خود شہنشاہِ دہلی تک کو اُس کے مقابلے پر لا کے کھڑا کر دیا، مگر اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اور اس کے اشارے سے حافظ رحمت خاں نے اودھ کے شہروں اور قصبوں میں لوٹ مار شروع کر دی۔ خیرآباد پر قبضہ کر لیا۔ اور خود احمد خاں بنگش کا بیٹا محمود خاں، فوج لے کے چلا کہ لکھنؤ پر قبضہ کرے۔

سنہ ۱۱۷۹ محمدی (۱۷۵۰ء) میں پٹھانوں نے ملیح آباد میں اپنا تھانا قائم کیا۔ اور سنہ ۱۱۸۰ محمدی (۱۷۵۱ء) میں محمود خاں کا کوئی عزیز بیس ہزار فوج لے کے لکھنؤ کی طرف چلا۔ شہر کے باہر پڑاو ڈالا۔ اور اپنا ایک کوتوال مقرر کر کے شہر میں بھیجا۔ صفدر جنگ کے آدمیوں سے شہر خالی تھا۔ جو چند تھے بھی، پٹھانوں کے آنے کی خبر سُن کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور پٹھانوں کے کوتوال نے شہر میں آ کے بے اعتدالیاں شروع کر دیں۔

اُن دنوں شیخ زادگانِ لکھنؤ میں سب سے زیادہ سربرآوردہ شیخ معزّ الدین تھے۔ وہ افاغنہ کے سردار سے شہر کے باہر جا کر ملے۔ اُسی وقت کسی نے اُس سے جا کے شکایت کی کہ شہر والے آپ کے کوتوال کی تحقیر و توہین کرتے ہیں اور کوئی اس کا حکم نہیں مانتا۔ شیخ معزّ الدین بولے: "کیا مجال ہے کہ کوئی ایسی گستاخی کرے۔ میں جاتا ہوں، مفسدوں کو سزا دوں گا۔" یہ کہہ کے واپس آئے اور تمام بھائی بندوں کو بلا کے کہا: "پٹھانوں کے قول و فعل کا اعتبار نہیں، بہتر یہ ہے کہ ہم نواب صفدر جنگ کا ساتھ دیں اور مقابلہ

کر کے پٹھانوں کو یہاں سے نکال دیں۔" اس کے بعد شیخ معزالدین نے گھر کا زیور بیچ کے فوج جمع کی اور سارے شیخ زادوں کو لے کے کوتوال پر حملہ کیا - وہ اپنی جان لے کے بھاگا اور شیخ صاحب نے کسی مغل کو درباری لباس پہنا کے اپنے مکان میں بٹھا دیا اور منادی کرادی کہ صفدر جنگ نے اپنی طرف سے اس مغل کو کوتوال بنا کے بھیجا ہے۔ اس کے ساتھ ہی علیؑ کے نام کا ایک سبز جھنڈا کھڑا کیا۔ اور لوگ اُس کے نیچے آآ کے جمع ہونے لگے۔

یہ حالات سن کے پٹھانوں نے حملہ کر دیا۔ شیخ زادوں نے جان توڑ کے مقابلہ کیا۔ اور اپنی پرانی شجاعت دکھا دی۔ پٹھان مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ پندرہ ہزار فوج کے ساتھ بھاگ گئے۔ اور موقع پا کے شیخ زادوں نے پٹھانوں کو سارے ملکِ اودھ سے نکال باہر کیا۔

دو سال بعد جب احمد خاں بنگش سے صلح ہو گئی تو ۱۱۸۲ محمدی (۱۷۵۳ء) میں نواب صفدر جنگ پھر لکھنؤ میں آئے اور مہدی گھاٹ پر آ کے ٹھہرے۔ ایک خاص مکان اپنے رہنے کے لیے بنوایا اور سجایا اور سپاہ کی درستی میں مصروف ہوئے لیکن اس کی مہلت نہ ملی۔ اُسی سال سلطان پور کے قریب پاپڑ گھاٹ میں پڑاؤ تھا کہ انتقال کیا۔ لاش پہلے فیض آباد کی گلاب باڑی میں لے جا کے زمین کے سپرد کی گئی۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد ہڈیاں دہلی میں لے جا کے دفن کی گئیں، جن پر نہایت ہی عالی شان مقبرہ موجود ہے۔ اور سیاحانِ ارض اسے آج تک عبرت و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

(۴)

صفدر جنگ منصور علی خاں کے انتقال کے بعد ۱۱۸۲ محمدی (۱۷۵۳ء) میں اُن کے بیٹے نواب شجاع الدولہ مسند نشین ہوئے، جن کے کچھ حالات اس مضمون کے پہلے حصے میں بیان ہو چکے ہیں۔ وہ ایک مضطرب اور بے قرار طبیعت کے اولو العزم فرماں روا تھے لیکن بد قسمتی سے اُن کا عہد بڑے بڑے فتنوں اور یادگارِ زمانہ انقلابوں سے بھرا ہوا تھا۔ دنیا کی دو زبردست تاریخی قوموں اور قوتوں کی قسمت کا فیصلہ انھی کی آنکھوں کے سامنے

ہوا۔ پہلے پانی پت کی محشر انگیز لڑائی ہوئی جس میں احمد شاہ دُرّانی، شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ کے ساتھ خوانینِ روہیل کھنڈ کی تمام زبردست فوجیں ایک طرف تھیں اور مرہٹوں کا ٹیڑی دل دوسری طرف۔ اس لڑائی نے ۱۱۹۰ محمدی (۱۷۶۱ء) میں ایک ہی دن کے اندر فیصلہ کر دیا کہ ہندوستان چاہے مسلمانوں کا رہے یا نہ رہے۔ مگر مرہٹوں کا نہیں ہو سکتا۔ اُس کے بعد بکسر کا قیامت خیز میدان گرم ہوا جس میں انگریزوں کی باقاعدہ فوج ایک طرف تھی اور شجاع الدولہ کا لشکرِ کثیر ایک طرف۔ اس لڑائی نے، جنگِ پانی پت کے چار سال بعد، ۱۱۹۳ محمدی (۱۷۶۳ء) میں چوبیس گھنٹے کے اندر اس بات کا تصفیہ کر دیا کہ ہندوستان اب مسلمانوں کا نہیں، انگریزوں کا ہے۔

ان لڑائیوں سے پہلے، شجاع الدولہ اگرچہ لکھنؤ ہی میں رہے، مگر بڑی بڑی مہموں، پولیٹکل مشغولیتوں اور فوجی اصلاحوں سے انھیں اتنی مہلت ہی نہ ملی کہ شہر کی ترقی و آرائش کی طرف توجہ کریں۔ انھوں نے قلعے بنوائے، گڑھیاں قائم کیں، فوجی سامان اور آلاتِ جنگ کو فراہم کیا۔ اس کی فرصت نہ ملی کہ اپنے گھر کو درست اور اپنے شہر کو آراستہ کریں۔ بکسر کی لڑائی کے بعد، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، وہ فیض آباد میں جا کے اقامت گزین ہو گئے۔ اس لیے لکھنؤ ان کی برکتوں سے محروم رہ گیا۔ ۱۲۰۴ محمدی (۱۷۷۵ء) میں انھوں نے سفرِ آخرت کیا، اور نواب آصف الدولہ اُن کے جانشین ہوئے۔

آصف الدولہ نے مسندِ حکومت پر قدم رکھتے ہی، ماں سے ناراض ہو کے لکھنؤ کی راہ لی۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جب سے دربارِ اودھ کی قوتِ فرماں روائی گھٹنے اور لکھنؤ کی ظاہری رونق بڑھنے لگی۔ بکسر کا میدان جیتنے کے بعد انگریزوں نے دربارِ اودھ میں دخل دہی کے بہت سے حقوق حاصل کر لیے تھے جن کی بنا پر یہاں فوجی ترقیوں کی روک ٹوک کی جاتی اور ہمیشہ غائر نظر سے اس بات کی نگرانی کی جاتی کہ حکومتِ اودھ کو پھر ایسی قوت نہ حاصل ہونے پائے کہ اُس کی فوجیں دوبارہ انگریزی لشکر کے سامنے صف آرا ہو سکیں۔